مولانا نے ازراہ کرم علامہ اقبال سے متعلق میرا مذکورہ بالا مضمون "برہان" میں شائع فرما دیا۔ مناسب [illegible] کے ابتدائی پرچے ہیں، اس سے میری بڑی ہمت افزائی ہوئی۔ میں نے لکھا کہ عربی سے [illegible] کا شوق ہے، دفتر برہان میں ایسے کتابچے یا رسالے موجود ہوں جن کے مضامین کی اردو میں تلخیص مقصود ہو تو ناچیز اس خدمت کے لئے حاضر ہے۔ مولانا نے میرے اس خط کو کسی درخور التفات سمجھا اور جواب سے سرفراز فرمایا:

(۳)

مخلصم مولوی ثناء اللہ صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ بہت دن ہوئے ملا تھا، میں ان دنوں باہر تھا، واپس آیا تو دوسری مصروفیتوں میں لگ گیا اور آپ کا خط ڈاک کے انبار میں رہ گیا، تاخیر جواب کے لئے معذرت خواہ ہوں، آپ کا ذوق علم لائق داد ہے، یہ بڑا قیمتی جوہر ہے، ایک زمانے میں دفتر میں مصر کے بعض معیاری ماہنامے "الہلال"، "المقتطف" وغیرہ آیا کرتے تھے اور "برہان" میں ان کے بعض مضامین کی تلخیص شائع ہوا کرتی تھی، مگر اب عرصے سے یہ سلسلہ بند ہے، کیونکہ روپیہ بھیجنے کی کوئی باقاعدہ صورت نہیں ہے، کوشش میں ہوں کہ یہ ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جڑ جائے، ان دنوں صرف ایک پرچہ "صوت الشرق" آتا ہے جس میں غالباً "برہان" کے مطلب و معیار کی کوئی خاص چیز نہیں ہوتی، کوئی چھوٹی موٹی کتاب سامنے آ گئی تو خیال رکھوں گا، آپ اپنی مشق جاری رکھیں، مشق کی حد تک وہاں (عمرآباد میں) کتب خانہ میں بہت سی کتابیں ہوں گی، زبان کو زیادہ سے زیادہ صاف، دل پذیر اور سہل بنانے کی کوشش کیجئے، امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے، فقط والسلام۔

عتیق الرحمٰن عثمانی ۹ اپریل ۱۹۶۰ء

ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی

اس اثنا میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین مرحوم کی ایک چھوٹی سی کتاب "قادۃ الفکر" نظر پڑی، قابل مؤلف نے اس میں یہ بتایا تھا کہ فکر و نظر کی رہنمائی عہد بعہد مختلف طبقوں کے ہاتھ آتی رہی ہے۔ فلاسفہ، شعراء، علماء اور سیاست داں یکے بعد دیگرے اس منصب پر ہوتے رہے ہیں، اس ضمن میں مؤلف نے مختلف ملکوں کی تاریخ سے اپنا نقطۂ نظر واضح کیا تھا، مجھے یہ کتاب پسند آئی اور استاذ محترم مولانا سید عبدالکبیر صاحب مدظلہٗ کی نگرانی میں "رہنمایانِ فکر" کے نام سے اس کا ترجمہ پورا کرلیا۔ پھر خیال ہوا کہ ماہنامہ "برہان" میں وہ قسط وار چھپ جائے تو اچھا رہے گا، مگر اندیشہ ہوا کہ مضمون بہت طویل ہے، برہان کے صفحات اس کے متحمل نہ ہوسکیں گے، پھر ڈھارس بندھی کہ طٰہٰ حسین مرحوم ہی کے طویل مضمون حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ پر مولانا عبدالحمید نعمانی کے قلم سے اردو میں منتقل ہوکر اسی برہان میں قسط وار شائع ہوچکے تھے۔ بہرحال برہان کی اسی نظیر کا حوالہ دے کر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سے خط کے ذریعہ درخواست کی کہ میرے ترجمہ کے لئے بھی "برہان" میں گنجائش نکالیں، مولانا نے جواب مرحمت فرمایا جو درج ذیل ہے:

(۴)

برادرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! جواب قدرے تاخیر سے لکھ رہا ہوں، آپ منتظر ہوں گے، یہ معلوم ہوکر کہ آپ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، مسرت ہوئی، کام کئے جائیے، یہی وقت بننے کا ہے، "برہان" کے صفحات جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، محدودتر ہیں، یہی وجہ ہے کہ نعمانی صاحب کے مضامین کی طوالت پر بھی بعض اصحاب انگشت نما ہوئے تھے، چالیس پچاس صفحات ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں بھیج دیجئے، مضمون قسطوں میں حسب سہولت شائع کردیا جائے گا، "برہان" بہرحال اسی کام کے لئے ہے، دو ہی رسالے ہیں، "معارف" اور "برہان" جو اس طرح کے مقالات شائع کرسکتے ہیں، مقالہ

بھیجنے سے پہلے نظر ثانی اور نظر ثالث ضرور ہونی چاہئے، ترجمہ زیادہ سے زیادہ صاف، سلیس اور رواں ہونا چاہئے، اسلوب کا خیال رہے، بعض اسالیب وہاں مستعمل ہیں، اردو میں نہیں، ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جائے اسی زبان کا اسلوب اور قالب اختیار کیا جائے، امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ میں آپ کے مقاصد کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔

فقط والسلام۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین، دہلی

ترجمہ کی برہان میں اشاعت کی نوبت ہی نہیں آنے پائی تھی کہ میں نے اس کی کتابی شکل میں اشاعت کی بابت استفسار کیا، مولانا نے از راہ ذرہ نوازی جواب سے نوازا:

(۵)

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلے آپ ترجمہ پر نظر ثانی، ثالث، رابع کرلیں اور جب اس کی صحت، اسلوب اور شگفتگی پر قلب مطمئن ہو جائے تو مسودہ یہاں بھیج دیں، مضمون کا ایک حصہ "برہان" میں ضرور آنا چاہئے، کون سا حصہ آئے، یہ آپ ہی متعین کریں، اس کے بعد ان شاء اللہ کتاب ندوۃ المصنفین یا مکتبہ برہان سے شائع ہو جائے گی، یاد رکھئے کہ پہلی چیز بہتر سے بہتر لانے کی سعی کیجئے، عجلت کی ضرورت نہیں، پہلی چھاپ کا اثر ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس بات کی پھر یاد دہانی کرتا ہوں کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جائے اس کا اسلوب پیش نظر رہے، نہ کہ اصل کا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ترجمہ کی حد تک ایک جملے کا ترجمہ درست ہی ہوتا ہے، اس کو غلط نہیں کہا جا سکتا، مگر جس زبان میں کیا گیا ہے اس میں وہ جملہ اس طرح

مستقل نہیں ہے، اس لئے مترجم کے لئے دونوں زبانوں پر، دونوں
زبانوں کے محاورں پر، دونوں زبانوں کے طرز ادا پر عبور ضروری ہے۔
نعانی صاحب جدید عربی کے بہت اچھے جاننے والے ہیں، مگر ان کو اردو
کے محاوروں اور جملوں کے نظم و نسق پر اتنا عبور نہیں، اسی لئے ان کا
ترجمہ اول درجہ کا ترجمہ نہیں رہا۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے، فقط والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی

۱۳/ اگست ۱۹۶۰ء

اس کے بعد میں نے مولانا سے درخواست کی کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا پتہ دریافت کرکے لکھ بھیجیں تاکہ ترجمہ و طباعت کی اجازت حاصل کرلی جائے، مولانا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:

(۶)

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے آپ بخیر و عافیت
ہوں گے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے گھر کا پتہ تو مجھے معلوم نہیں ہے اور غالباً اس
کی ضرورت بھی نہیں ہے، آپ خط اس پتے پر بھیج دیں، پہنچ جائے گا
کچھ بعید نہیں یہ مصنف ہی کا مکتبہ ہو۔

دار المعارف، قاہرہ، مصر

مضمون پر خوب خوب نظر ڈال لیجئے، ہر نظر میں طرز تعبیر جاندار ہو جائے گا،
اور یہ چیز آپ کے مستقبل کے لئے مفید رہے گی، جواب میں تاخیر ہوگئی فقط والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی، ندوۃ المصنفین دہلی

۱۲/ ستمبر ۱۹۶۰ء

عرفت نفسی بفسخ العزائم والی بات پیش آگئی، انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے دو سالوں نے لکھا کہ کسی صاحب نے طٰہٰ حسین کی کتاب "قادۃ الفکر" کا ترجمہ کر دیا ہے اور وہ انجمن کی طرف سے طباعت کے لئے منظور ہو چکا ہے ـــــ اب کیا ہو سکتا تھا؟ اس خبر سے طبیعت بجھ سی گئی، خیر، بات آئی گئی ہو گئی، ناچیز بھی جامعہ دار السلام عمر آباد سے فارغ ہو کر دائرۃ المعارف، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد سے وابستہ ہو گیا تھا اور اس کے شعبۂ تصحیح میں ملازم تھا، دائرۃ المعارف کے دار المطالعہ میں جو دراصل اسلامک کلچر نامی انگریزی رسالہ کا ایک حصہ تھا ایک عربی رسالہ نظر پڑا، دمشق کے المجمع العلمی کا ترجمان، اس میں شام کے مشہور فاضل شیخ محمد کرد علی مرحوم پر ایک سوانحی مضمون موجود تھا، میں نے اس کا ترجمہ شروع کر دیا، اس سلسلے میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے میرے عریضہ کے جواب میں ذیل کا مکتوب گرامی تحریر فرمایا:

(۷)

مخلص و مکرم جناب مولوی ثناء اللہ صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ پہنچا تھا، میں ان دنوں کلکتہ گیا ہوا تھا، واپس ہوا تو رمضان المبارک شروع ہو گئے، رمضان المبارک کے مشاغل جدا ہی ہوتے ہیں، چونکہ حافظ بھی ہوں، اس لئے زیادہ وقت تلاوتِ کلام پاک میں صرف ہوتا ہے، بہر حال تاخیر جواب کے لئے معذرت خواہ ہوں، یاد آتا ہے کہ شیخ محمد کرد علی پر میں نے کوئی مضمون کسی رسالہ میں پڑھا ہے مگر اس وقت بات پوری طرح یاد نہیں اگر یہ مضمون "المجمع العلمی" کے کسی تازہ نمبر میں آیا ہے تو یقیناً جدید ہوگا، بھیج دیجئے، ـــــ کیا کہوں، یہ سال ادارے پر سخت گذرا ہے اور اب بھی یہی صورت ہے، دشواری سے گاڑی کھنچی جا رہی ہے، ترجمے کے لئے متعدد کتب سامنے ہیں، مگر وسائل کی کمی سے مجبوری ہے، ان شاء اللہ خیال

دیکھوں گا، آپ اب کیا کر رہے ہیں؟ ترجمہ کی مشق تو قصداً ہی رہی ہوگی، یہ بھی بڑی چیز ہے، امید ہے آپ بخیر وعافیت ہوں گے، فقط

عتیق الرحمٰن عثمانی

۸ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

مطابق ۱۲ فروری ۱۹۶۲ء

میں نے یہ مضمون ترجمہ کرکے بھیج دیا، ایک عریضہ میں حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن مرحوم کی علالت پر تشویش کا اظہار کیا جو ان دنوں امریکہ میں زیر علاج تھے، مفتی صاحب نے جواب سے شاد فرمایا، جو میرے نام ان کا آخری مکتوب ہے:

(۸)

برادرم مخلصم جناب مولوی محمد ثناء اللہ صاحب دام مجدہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ مع مضمون ملا، ان شاء اللہ بوقت فرصت نظر ڈالوں گا، آپ حیدرآباد کب آئے اور وہاں کیا کر رہے ہیں؟ امید ہے کوئی بہتر مشغلہ ہوگا، مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب کی علالت کی نوعیت نے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر ڈالا ہے کہ کسی کام میں جی نہیں لگتا، بیالیس ۴۲ سال کے مخلص ترین دوست ہیں اور ملت کا قیمتی سرمایہ ہیں، میڈی سن (امریکہ) میں خاص اہتمام سے علاج ہو رہا ہے، خدا نے چاہا صحت کی توقع ہے، ابھی تک کسی خاص افاقے کی خبر نہیں ہے، مرض پیچیدہ اور خوفناک ہے، رفتہ رفتہ آرام ہوگا، میں شکر ہے غنیمت ہوں، ان دنوں طبیعت ماندہ رہتی ہے، ادارے کی گاڑی بھی بہرحال چل رہی ہے، امید ہے آپ بخیر ہوں گے، فقط والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی

دفتر برہان، جامع مسجد، دہلی

۵ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ، ۱۰ مئی ۱۹۶۲ء

خدا جانے کیا رکاوٹ پیش آگئی کہ میرا کردہ "ملا مضمون شائع نہیں ہوا، مگر مولانا کے شفقت آمیز اور نصیحت آمیز خطوط نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ان خطوط میں بڑی ادبی خوبی موجود ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ در اصل ادبی اور علمی میدان کے آدمی تھے، مگر اپنی تمام صلاحتیں انتظامی اور تنظیمی امور کے لئے وقف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے جو کام چاہتا ہے لیتا ہے، جف القلم بما ھو کائن۔

اتنی طویل مراسلت کے باوجود مدتوں ملاقات سے محرومی رہی، ۱۹۵۹ء کے اواخر میں عمرآباد سے ایک امتحان کے سلسلے میں علی گڑھ جانا ہوا، دہلی بھی گیا، مفتی صاحب سے ملاقات کے لئے ندوۃ المصنفین میں حاضری دی، مگر دفتر کے ایک ملازم نے بتایا کہ مولانا آرام فرمارہے ہیں، مخل ہونا اچھا نہیں معلوم ہوا، واپس چلا آیا، پھر میرے قیام حیدرآباد کے زمانے میں مسلم مجلس مشاورت کے وفد کا لیڈی حیدری کلب میں بڑا شاندار جلسہ ہوا، ڈاکٹر سید محمود مرحوم، سندر لال وغیرہ تشریف لائے تھے، مگر مفتی صاحب نہیں آئے، اس طرح دیدار کی حسرت ہی رہ گئی۔

غالباً ۱۹۸۱ء کی بات ہے، ناچیز ادارۂ تحقیقات اسلامی، جامعہ دارالسلام عمرآباد سے وابستہ تھا کہ مولانا صاحب جامعہ کے سالانہ جلسہ کی صدارت کے لئے عمرآباد تشریف لائے، مدتوں کی آرزو برآئی، میانہ قد، قدرے خمیدہ، رنگت گندمی، سن سفید ڈاڑھی، بڑے کم سخن، ٹوپی ایسی وضع کی اوڑھ رکھی تھی کہ بعض تصویروں میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اوڑھے ہوئے نظر آتے ہیں، میں کچھ دیر تک اسی خیال میں کھو گیا ؎

خیال قد بلند تو می کند دل من
تو دست کوتہ من بیں و آستیں دراز

مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا، مفتی صاحب مسجد میں تشریف رکھتے تھے،

اذان ہوئی، میں مفتی صاحب کی خوش الحانی کی بات کہیں پڑھ چکا تھا، درخواست کی کہ نماز پڑھائیں، مگر عذر فرمایا کہ طبیعت سست اور آواز پست ہے، آخر امامت اسی بے بضاعت کو کرنی پڑی۔

دوسرے دن جلسہ ہوا، مفتی صاحب کا تعارف مولوی حافظ حنیف الدین ندوی نے کرایا، پھر مہمان خصوصی نے صدارتی تقریر فرمائی، شہر شہر کر بول رہے تھے، طالبان علم نبوت کو بڑی اچھی اچھی نصیحتیں فرمائیں ـــــ اس دیرینہ نیاز مند نے حسب عادت مصافحہ پر اکتفا کرلیا۔ پرانی مراسلت کا ذکر تک نہیں کیا ـــ اخیر عمر میں مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم سے قومی پریس کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود بڑی بے باک قیادت کا ثبوت دیا۔

مردے از غیب بروں آید وکارے بکند

اللہ مرحوم کے درجات بلند کرے، آمین۔

مفکرِ ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر

رسمِ اجراء اور محفلِ علم و دانش

از عبدالاحد صدیقی ڈائریکٹر انڈو عرب پریس فیچرس انٹرنیشنل

رب العزت کا شکر ہے کہ طویل انتظار اور انتھک محنت کے بعد ماہنامہ برہان کا "مفکرِ ملت نمبر" منظرِ عام پر آگیا۔ یہ نمبر جلیل القدر علماء، صاحبِ طرز اہلِ قلم کے مقالات اور اربابِ اخلاص و محبت کے تاثرات اور حضرت مفکرِ ملت کی حیات، خدمات، اخلاق و کردار کے تذکروں پر مشتمل ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ نقشِ اول اور خشتِ اول کی ہی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر بھی ان تمام گوشوں اور مضامین کو اپنے اندر نہ سمو سکا جو اس موقع پر ــــ حضرت مفتی صاحب کے انتقال کے بعد لکھے گئے ہیں اور ادارہ کو موصول ہوئے ہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی اشاعت ان تمام لوگوں کی آرزوؤں کی تکمیل کی طرف ایک قدم ہے جن کے دلوں کی دھڑکنوں میں حضرت مفتی صاحب کے اخلاصِ بیکراں کے نقوش جلوہ گر ہیں، جو حضرت مفکرِ ملت کے ساٹھ سالہ دورِ خدمت اور جہد و عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور جن کی یہ خواہش و آرزو بار بار سامنے آتی رہی ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی عظیم و القدر مرتبہ شخصیت کے وہ سارے تابناک و تمام علمی گوشے اور ان کے اخلاق و کردار کے وہ

روشن نقوش محفوظ کر دیئے جائیں جن کی روشنی میں آنے والی نسلیں یہ دیکھ سکیں کہ ہمارے بزرگوں نے کس قدر سخت و ناگوار حالات اور سنگین و نازک صورت حال میں بھی ملت اسلامیہ ہند کی مدبرانہ، دانشمندانہ اور بصیرت افروز انداز سے رہنمائی کی ہے۔

امید ہے کہ مفکر ملت نمبر کا مطالعہ کرنے والا یہ محسوس کیے بغیر نہ رہے گا کہ وہ ایک ایسی ہستی کے حالات اور کارناموں کا مطالعہ کر رہا ہے جس نے اپنے عمل و کردار سے ایک روشن تاریخ مرتب کی ہے، ـــــ ایک تاریخ جس کے سینے میں صبر و تحمل، فہم و تدبر، تبحر علمی، اخلاق و شرافت، اخلاص و للہیت فکر و شعور، تفقہ فی الدین اور شریعت و طریقت کے نہ جانے کتنے ستارے جگمگ کر رہے ہیں ـــــ ایک تاریخ جو عمل کی توانائی اور فکر و ذہن کو روشنی دے سکتی ہے ـــــ ہاں ـــ! ایک تاریخ جو آج کے نفرت، تعصب، پھوٹ، خود غرضی، بے راہ روی اور عداوتوں سے لبریز ماحول کی تاریکیاں دور کرنے کا فرض انجام دے سکتی ہے اور دلوں سے فکر و شعور کے گوشوں اور ذہن کے پردوں سے اُن اندھیروں کو ہٹا سکتی ہے جن سے مایوسیوں اور حرماں نصیبیوں کی مہلک کیفیت پیدا ہوگئی ہے ـــــ جس طرح مفکر ملتؒ سے ملاقات کرنے والا اپنے اندر ہمت و حوصلہ لے کر رخصت ہوتا تھا اسی طرح "مفکر ملت نمبر" کے مطالعہ سے بھی "یاس" کو "آس" میں بدلا جاسکتا ہے ـــــ بشرطیکہ خود بھی میدان عمل میں قدم رکھنے کا ارادہ اور کچھ حوصلہ ہو اور ملت کی دردمندی کا تھوڑا بہت جذبہ دل میں موجود ہو ـــ!

قدرتی بات ہے کہ اس موقع پر وہ ساری خصوصیات ذہن کی سطح پر نمودار ہوں جن سے حضرت مفکر ملت کی ذاتِ گرامی عبارت تھی، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ملت کے بکھرے ہوئے عناصر کو یکجا کرنا، آپس میں دست و گریباں ہونے والے لوگوں کو ایک اسٹیج پر لانا، ملی و ملکی مسائل میں مختلف ذہن و فکر کے حامل لوگوں کو مل جل کر مسائل کا حل تلاش کرنے پر آمادہ کرنا

کتنا مشکل اور صبر آزما کام ہے یہ سب پر عیاں ہے مگر سوال یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے جس طرح ان تعمیری مقاصد کے لئے زندگی بھر پاپڑ بیلے، سخت محنت کی، ان کی سادگی وخلوص کا وہ انداز، استقامت اور عزم وحوصلہ کی پختگی کا وہ کوہ وقار، معاملہ فہمی اور دوسروں کے جذبات واحساسات کا پاس ولحاظ کرنے کا وہ طریقہ، ناگوار وتلخ حالات میں، ماحول کی شدت وگرمی میں ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے سمجھنے، مسائل پر غور کرنے اور معتدل ومتوازن فیصلے کرنے کا وہ اسلوب وہ طریق فکر وعمل، ہر فرد سے ہمدردی اور دل سوزی کا وہ جذبۂ بے کراں، وہ دردمندی وہ تڑپ کیا ہمیں یہ دعوت غور وفکر نہیں دے رہی ہے اور کیا یہ سب کا فرض اولین نہیں ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب کے اس مشن کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں جس کو انھوں نے زندگی بھر اپنائے رکھا اور آخری سانس تک اس کی سعی، کاوش اور جد وجہد کرتے رہے کہ ملت کے تمام گروہ اور جماعتیں مسلک ومشرب کے اختلافات اور جماعتی گروہ بندیوں سے بلند ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد واتفاق پیدا کریں اور اپنی صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے ذریعہ نہ صرف اپنی ملت کے افراد کی اصلاح وخدمت اور رہنمائی کا فرض انجام دیں بلکہ ملکی سماج کو بھی اصلاح ورہنمائی سے سدھارنے کی ذمہ داری کو پورا کریں، کیا شبہ ہے کہ اس وقت ملک کے اندر صورت حال تو تشویشناک ہے ہی مگر خود ہماری صفوں میں، ہمارے دینی اداروں میں ہماری ملی تنظیموں اور افراد کے درمیان بھی حالات اس قدر تفرقہ انگیز وحسرت آمیز ہیں کہ یہ سے

آتش کدوں کا جوشِ غضب ہے شباب پر
مقتل سجے ہوئے ہیں بہ اندازِ دلنشیں

کا ہولناک منظر آنکھوں کے سامنے ہے اور مستقبل کے لئے بھی کسی اطمینان بخش صورت کی کوئی ہلکی سی کرن دکھائی نہیں دے رہی ہے، ان اندوہناک اور فکر انگیز حالات میں یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ ملت کے کچھ دردمند بزرگ، کچھ باحوصلہ افراد آگے آئیں اور اپنے اسلاف وبزرگوں